اور حکیم دانا ہیں اور وہ بھی اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سخت مخالف ہیں، جس کا اظہار مذکورہ بالا لکچر میں انہوں نے کھل کر کیا ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر حکومت نے مسلمانوں کو خوش کرنے اور اردو کے اصل مسائل سے ان کی توجہ کو ہٹانے کی غرض سے اردو یونیورسٹی نام کی کوئی چیز قائم کر بھی دی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ جب ہائی اسکولوں میں اردو ذریعۂ تعلیم نہیں ہے تو اس یونیورسٹی کے لیۓ طلباء کہاں سے آئیں گے؟ اور آئیں گے بھی تو جب اردو میں علوم جدیدہ اور سائنس ٹکنالوجی کی کتابیں ہی نہیں تو پڑھیں گے کیا اور جب اردو میں ان علوم کی اصطلاحات ہی نہیں ہیں تو اساتذہ اردو میں سمجھائیں گے کس طرح؟ اور یہ سب کچھ بھی ہو گیا تو اس یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ملک میں کیا مستقبل ہوگا؟ ان کی علمی استعداد کیا ہوگی اور حکومت کے دفاتر میں ان کی کھپت کیونکر ہوگی؟

اردو کی ترقی اور حفاظت اس کی توسیع اور استحکام کے لیے کرنے کے بیسیوں اہم اور ضروری کام ہیں جنہیں ہونا چاہیۓ۔ لیکن اس کی طرف نہ کسی کو توجہ ہے اور نہ ان کے کرنے کا حوصلہ و ہمت ہے۔ لیکن اردو یونیورسٹی جو سرتاسر لغو اور بیہودہ واہمہ ہے اس کے لیۓ ایجی ٹیشن کرنے کا حوصلہ ہر ایک میں ہے۔ یہ صورتِ حال حد درجہ افسوسناک اور مسلمانوں کے مستقبل اور خود اردو زبان کے استحکام و بقا کے لیۓ نہایت افسوسناک اور مایوس کن ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم میں تعمیری کام کی صلاحتیں مفقود ہیں اور ہم نے جذبات کے کھلونوں سے دل بہلانے پر قناعت کر لی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار!

پتہ کی تصحیح

گزشتہ اشاعت برہان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا جو جدید پتہ درج کیا گیا تھا۔ اس میں ان کی رہائش اور دفتر کا پتہ غلطی سے خلط ملط ہو گیا ہے اس لیے صحیح پتہ اب شائع کیا جاتا ہے از راہِ کرم اسے نوٹ کر لیجیے۔

دفتری پتہ یہ ہے:-

INSTITUTE OF HISTORY OF MEDICINE
AND MEDICAL RESERCH
NEW DELHI 62

مکان کا پتہ :-

ہمدرد فلیٹ۔ پل پہلاد - بدرپور۔ نئی دہلی ـــــ ۴۴

برہان کے سلسلے کے خطوط جو مقالات و مضامین سے متعلق ہوں۔ اور خود مقالات یہ سب موصوف کے نام سے دفتر برہان کے پتہ پر آنے چاہییں۔

(منیجر)

ادارہ کی فہرست کتب اور برہان کا نمونہ طلب فرمایئے

رسالہ کشف الاذکار

از

شاہ شریف :- ماقبل ۱۰۹۳ھ

(جناب ڈاکٹر نورالسعید صاحب اختر بمبئی)

قدیم اُردو کا بیشتر سرمایہ جس کا تعلق دبستانِ بیجاپور سے ہے تصوّف کے سرمدی نغموں سے معمور ہے۔ اس مکتب کی داغ بیل شاہ میراں جی شمس العشاق (متوفی ۹۰۲ھ) کے ہاتھوں پڑی اور اُن کے خلفاء نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ مذہبِ اسلام کی توسیع داشاعت اُن کا خاص مطمحِ نظر تھا لہذا انہوں نے اپنی تعلیمات کو دُور دراز حصّوں تک پہنچانے کی غرض سے عوامی فضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام بول چال کا سہارا لیا اور اسی زبان میں تصنیف وتالیف کا کافی سرمایہ یادگار چھوڑا۔ چنانچہ اس سلسلہ کے کئی صوفیوں کی منظوم ومنثور تصانیف ورسائل کا ہمیں علم ہوچکا ہے ذیل کی سطور میں شاہ شریف اور ان کی مثنوی کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ شریف کے حالاتِ زندگی کا ہمیں پوری طرح علم نہیں ہے۔ مثنوی کے سرنامہ پر یہ عبارت درج ہے۔

" این رسالہ کشف الاذکار است تصنیف شاہ شریف "

مندرجہ بالا جملے اور مثنوی کے مقطع کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف کا نام اور تخلص شریف تھا اور اُنکے صوفیانہ مرتبہ کی مناسبت سے "شاہ" کے لقب

کا اضافہ اُن کے نام کے ساتھ کیا گیا تھا۔ نصیرالدین ہاشمی نے عادل شاہی دور کے انتیس شعراء اور ان کی تصانیف کی فہرست[1] مرتب کی ہے اس میں شاہ شریف اور ان کی تصنیف کا ذکر نہیں ہے۔ مثنوی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاہ شریف ایک بلند مرتبہ صوفی بزرگ اور سلجھے ہوئے شاعر تھے۔ انھیں شاہ برہان الدین جانم اور اُن کے خاندان والوں سے خاص عقیدت تھی۔

اس مثنوی کے چند اشعار ایسے ہیں جن کے پیش نظر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ شریف نے حضرت جانم سے براہِ راست ہدایت نہیں پائی بلکہ اُن کا عہد حضرت امین الدین اعلیٰ متوفی ۱۰۸۶ھ[2] سے تعلق رکھتا ہے۔ مثنوی کا شعر نمبر (۱۳۹) اس امر کی واضح دلیل پیش کرتا ہے ؎

کہے شیخ محمود اوّل فارسی ۔۔۔ شریف صاف دکھنی کیا آرسی

شاہ شریف نے اپنے فارسی ماخذ کی طرف صاف طور سے اشارہ کیا ہے۔ یہاں پر مختصراً یہ دیکھنا ضروری ہے کہ شاہ شریف کون تھے اور اُن کا عہد کیا تھا؟ جنوبی ہند میں شاہ محمود، شیخ محمود اور صرف محمود تخلص اور نام والے کئی بزرگ گزرے ہیں۔ اس نظم میں شاہ شریف نے حضرت جانم کے فوراً بعد شیخ محمود اور ان کی فارسی تصنیف کا ذکر کر دیا ہے۔ لہٰذا اس بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ شیخ محمود، شیخ محمود عین الحق خوش دہاں محمد آبادی[3] کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا

---

[1] دکن میں اردو: از نصیرالدین ہاشمی چھٹا ایڈیشن ص ۱۸۳

[2] سب رس: دسمبر ۱۹۷۱ء مضمون از فہمیدہ بیگم (ورق ۱۳۱ ب) امین الدین اعلیٰ صوفی حقانی (۱۰۸۵ھ)

[3] سکھ انجن :- شاہ ابوالحسن قادری :- مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر۔ صفحہ ۲۶ – ۲۷۔

شیخ محمود خوش دہاں شاہ ابوالحسن قادری کے حقیقی بھانجے تھے۔ آپ کے والد کا نام فتح داؤد تھا۔ جو اپنے خسر شاہ بدرالدین حبیب اللہ کے بڑے معتقد تھے۔ بیجاپور کے اکابر صوفیاء میں آپ کا شمار تھا۔ قادریہ اور چشتیہ دونوں سلسلوں سے آپ کو بیعت حاصل تھی۔ آپ نے چونکہ حضرت جانم سے فیوضِ ظاہری اور باطنی پائے تھے۔ اس لئے آپ کو ان سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اسی رُوحانی تربیت کی بنا پر آپ نے بیجاپور میں بہت سے شاگردوں اور مُریدوں کو علم باطنی کی دولت سے مالا مال کیا۔ ۱۰۲۶ھ مطابق ۱۶۱۶ء کو آپ نے وصال فرمایا اور حضرت جانم کے مقبرے کے پاس دفن ہوئے۔

پروفیسر اکبرالدین صدیقی نے شیخ محمود خوش دہاں[1] کو صاحبِ تصنیف و تالیف ثابت کیا ہے۔ ان کی دو تصانیف "معرفت السلوک" اور "رویت الحق" دستیاب ہیں۔ شجرات میں شیخ محمود خوش دہاں کے نام کے ساتھ "بلطفِ معبود" کی ترکیب بھی پائی جاتی ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ "آپ فارسی اور دکھنی دونوں زبانوں میں صاحبِ تصنیف ہیں آپ کے کئی رسالے ملتے ہیں ..... حضرت محمود خوش دہاں نے حضرت جانم کے صاحبزادے حضرت امین الدین اعلیٰ کی تعلیم و تربیت میں بھی حصّہ لیا ہے۔[2]"

ان حقائق کے پیشِ نظر اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ شاہ شریف نے حضرت محمود خوش دہاں کے کسی فارسی رسالہ کو دکھنی جامہ پہنایا۔ اس طرح تقریباً پوری مثنوی حضرت شیخ محمود کی فارسی نظم کا ترجمہ ہے اور باقی ماندہ چھ اشعار شاہ شریف کی تخلیق ہیں۔ چنانچہ شاہ شریف کہتے ہیں ؎

---

[1] قدیم اردو جلد اول ۱۹۶۵ء ص ۲۹۳ (اور) قدیم اردو، دورِ دوم جلد اول ۱۹۷۱ء ص ۲۷۔

[2] ——— ایضاً۔

اول کہا ہو اسب یو مطلب تمام بحقِ محمد علیہ السلام [۱۳۹]

شاہ شریف کو ایک مرشدِ کامل کی تلاش تھی۔ لہٰذا انھیں شاہ امین الدین اعلیٰ جیسا مُرشدِ کامل مل گیا۔ شاہ شریف نے حضرت امین الدین اعلیٰ کو اپنے وقت کا بے نظیر دبے عدیل قطب اور روشن ضمیر بزرگ بتایا ہے۔

زمانے کے ہے او قطب بے نظیر اہے شاہ بابا سو روشن ضمیر (۱۵۲)

پھر ایک واعظ کی حیثیت سے شاہ شریف دیگر سالکانِ طریقت کو اس بات کی تنبیہ کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت کی راہوں پر گامزن رہنے کے لئے دراصل مُرشدانِ کامل کی رہبری ضروری ہے۔ گندم نما جَو فروش پیرانِ کامل کی حیثیت نیم حکیم کی سی ہوتی ہے۔ ان کی رہنمائی سالک کو گمراہ کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے طبیبِ خام کے علاج سے مریض کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ شاہ شریف کے الفاظ یہ ہیں ؎

طبیبِ خام سوں ہوئے جیو کا زیان ہوئے خام مرشد سوں نقصانِ ایمان (۱۶۲)

اس تنبیہ کے بعد انھیں اس بات کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ اوروں کو اس قسم کی ہدایات کر رہے ہیں۔ حقیقت میں انھیں باری تعالیٰ کا سجدۂ شکر بجا لانا چاہئے کیونکہ اُنھیں امین الدین اعلیٰ جیسا پیرِ کامل مل گیا۔ جس کے گھر کا ہر فرد برگزیدہ بُزرگ ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ؎

تُجے کام کیا کس سوں تُوں شُکر کر جو دکھلایا حق تجہ کوں ایسا گھر (۱۶۴)

رسالہ کشف الاذکار کے تفصیلی مطالعہ سے دو محققین کے بیانات کی تردید ہوتی ہے۔ پروفیسر عبدالقادر سرفراز مُرتب فہرست مخطوطاتِ اُردو، فارسی اور عربی جامعہ بمبئی نے اس رسالے کا تعارف کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس نظم کی تخلیق کے وقت شاہ برہان الدین جانم بقیدِ حیات تھے۔ مضمون نگار کے نزدیک پروفیسر موصوف کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ شاہ شریف نے اس نظم میں شاہ برہان

اور گنبد کی نشانی کا ذکر کیا ہے ؎

مقام ہے اُدنو کا بجاپور کن نشانی ہے گنبد کے شہپور کن

علاوہ ازیں شاہ شریف نے شاہ امین الدین اعلیٰ کی بلند مرتبہ شخصیت اور ان سے براہِ راست کسبِ فیض کا ذکر کیا ہے۔ انھیں ایمان کی صراطِ مستقیم شاہ امین الدین اعلیٰ ہی کے توسط سے حاصل ہوئی تھی ان کا کہنا ہے ؎

کیے کفر او دور گمان کا کیے راست ایمان منجپر عطا (۱۲۶)

دوسرا بیان پروفیسر اکبرالدین صدیقی صاحب کا ہے۔ انھوں نے قدیم اُردو[1] (۱۹۷۱ء) میں حضرت جانم کے اقتباسات سے معمور رسائل کی فہرست دی ہے جس میں انھوں نے کشف الاذکار کو بھی شمار کیا ہے حالانکہ اس نظم میں حضرت جانم کی تصانیف سے کوئی اقتباس موجود نہیں ہے۔

کشف الاذکار کا موضوع :۔ مصنف کے نام اور ان کے مسلک سے صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کا موضوع تصوّف کے علاوہ اور کچھ ہو نہیں سکتا، چنانچہ مصنف نے اپنے اس مختصر سے رسالہ میں خدا کی حمد و ثنا اور رسول کی نعت و منقبت بیان کرنے کے بعد تصوّف و سلوک کی بعض بنیادی باتوں کو اپنے مخصوص رنگ میں واضح کیا ہے۔ بتایا ہے کہ جب خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تو یہ دونوں عالم وجود میں آئے۔ سالک کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھے، چاہے وہ ذکرِ خفی ہو یا جلی، یہ ذکر سالک کے لئے خدا تک پہنچنے کا راستہ کھول دے گا اور وہ منزلِ ناسوت و منزلِ جبروت سے ہوتا ہوا منزلِ لاہوت میں قدم رکھے گا اور شاہد و مشہود ایک ہو جائیں گے۔

---

[1] قدیم اردو ۔ دورِ دوم جلد اوّل ۱۹۷۱ء ص ۳۶-۳۵

آخر میں سالکانِ راہِ حق کو نصیحت کی ہے کہ میری باتیں کان دھر کر سنو اور اگر واقعی خدا تک پہنچنا ہے تو کسی صاحبِ دل کا دامن تھامو کیونکہ بغیر مرشد کی رہبری کے کوئی صحیح راہ کو پا نہیں سکتا۔

لسانی خصوصیات:۔ اس کی لسانی خصوصیات تقریباً وہی ہیں جو عام طور پر اور دکھنی تخلیقات کی ہوتی ہیں، زبان سادہ اور رواں ہے۔ عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کا استعمال بڑی خوبی سے کیا ہے۔ مرہٹی الفاظ بھی روپ بدل کر جگہ جگہ موجود ہیں۔ تصوف کی عام اصطلاحات کو واضح کرنے کا انداز بھی بڑا پیارا ہے ان لغوی خصوصیات کے علاوہ صوتی خصوصیات بھی تقریباً وہی ہیں جو دکھنی کا اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ ہر کاری آوازوں کو سادہ آوازوں میں بدل دیا گیا ہے جیسے تجھے: تجے مجھے: مجے۔ انفی آوازوں کا اضافہ بہ کثرت ہے جیسے سے = سیں، تو = توں کو = کوں، توچ = تونچ، نام = ناؤں وغیرہ۔ مصوتے بھی مختلف الفاظ میں بدلی ہوئی شکل میں ملتے ہیں۔ جیسے مانگنا = منگنا، بہت = بھوت وغیرہ۔

مخطوطے کا تعارف:۔ عبدالقادر سرفراز مرتب فہرستِ مخطوطات[۵] اردو فارسی اور عربی جامعہ بمبئی نے مخطوطہ نمبر ۳۶ سلسلہ نمبر ۵۹ میں سات چھوٹے بڑے دکنی اور فارسی رسائل کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ یہ رسالے ایک ہی جلد میں شیرازہ بند ہیں۔ کسی کسی جگہ یہ مخطوطے کرم خوردہ ہیں جنکی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ تحفۂ نصائح	از یوسف ابوالفتح
۲۔ کریما سعدی	از سعدی (شیرازی)
۳۔ تاج الحقائق	از وجہی۔ کتابت جان محمد محرمی چشتی متوفی ۱۰۹۳ھ

---

[۵] دی ڈسکرپٹیو کیٹلاگ آف اردو، پرشین اینڈ اریبک مینسکرپٹس از عبدالقادر سرفراز: جامعہ بمبئی ۱۹۳۵ء

۴۔ مراۃ الحقائق — بھگوت گیتا کا فارسی ترجمہ کتابت جان محمد محرمی چشتی متوفی ۱۰۹۳ھ

۵۔ رموزات — ؟

۶۔ کشف الاذکار — شاہ شریف قبل ۱۰۹۳ھ

۷۔ رسالہ ہدایت الطریقہ — از نظام الدین اولیاء

۸۔ مراۃ المحققین — ؟ کتابت جان محمد محرمی چشتی متوفی ۱۰۹۳ھ

رسالہ کشف الاذکار میں (۲۱۴) اشعار ہیں۔ ہر صفحے پر اُنیس شعر ہیں۔ خط نستعلیق ہے۔ اور تاج الحقائق، مراۃ المحققین سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کاتب بھی جان محمد محرمی[۱۵] چشتی متوفی ۱۰۹۳ھ ہی ہے۔

نظم کا خلاصہ :-

رسالہ کشف الاذکار کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے ؎

اول بسم اللہ بول تجکوں سرانون ۱ کہ رحمٰن ہے سو رحیم تیرنا نون

بھی الحمد للہ ثنا بے شمار ۲ سزاوار تجکوں تون پروردگار

جو ہے رب العالمین تو نچ ایک ۳ کرے پرورش تون دو عالم کون دیک

تون رحمٰن ہے رزق کا دینہار ۴ مسلمان کافر کون دنیا کے کنار

مسلمان کون عاقبت تون رحیم ۵ دلیے بہشت کافراں کون جہیم

(۱ تا ۵ باعتبارِ مخطوطہ)

شعر نمبر ۳۰ تک خدائے پاک بے نیاز کی حمد ہے۔ اس کے بعد نعتیہ اشعار ہیں اور ان میں نورِ محمد کے بیان کے علاوہ شہود، شاہد اور مشہود وغیرہ کی وضاحت موجود ہے ؎

۱۵۔ جان محمد محرمی چشتی :۔ مضمون از اکبر الدین صدیقی :۔ اردو نامہ کراچی جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۹

وہی آرسی ہے محمد کا نور ۶ وہی ہے تعین سو اوّل ظہور
برابر ہے سب نور کے حال کٹھار ۷ علم نورِ شہود ہور وجود سب بوچار
ادسی تہی ہے ظاہر رلعبہ سیتی ۸ زمیں ہور افلاک قدرت جیتی
صفت ذاتِ مجمل جو پاتا سگل ۹ ادسی نور کی آرسی میں اوّل
توعاشق ہے اپنا اپی آپ سوں ۱۰ توں پاتا ہے جب وقت اپس آپ کوں
جو عاشق اُسی ذکر سوں ہوئی حضور ۱۱ یہی ذکرِ سرّی ہے باحالِ نور
کیا ہے جو عیان ثابت ہجوم ۱۲ یہی اس مرتبے تہی تعین دوم
کھی پاتا ہے اپنا صفت ہور ذات ۱۳ اپس میں اپیں توں جو تفصیل سمات
نہیں ہے میرے غیر کون کچ وجود ۱۴ جو میں علم میں نور ہور میں شہود
ہوا دیکھ شاہد آپیں آپ پر ۱۵ توں اس مرتبے کے جو آرس کبھتر
توں شاہد و مشہود کھی ہے سو توں ۱۶ توں شاہد ہوا جب جو آپیں آپ سوں
کریں عارف اس میں ثبوت فکر سوں ۱۷ اشارت کھی ہے روحی ذکر سوں
توں معشوق عاشق ہو حاضر ہوا ۱۸ توں اپنی صورت پر جو ناظر ہوا
نہ دیکھیا اپس باج یہی کیس سوں ۱۹ اپس کی صورت کا ہچ عاشق ہے توں
کہ ظاہر کروں میرے باطن سوں لیا ۲۰ تصور خیالات سوں اپنے کیا
اشارت ہے اس قلب کے ذکر میں ۲۱ یہی ذکر قلبی ہے تج قلب میں
تو باطن تی ظاہر میں صورت دیا ۲۲ عیاں کا جو دسو کس اپس میں کیا

(۳۹ تا ۵۵)

جو ذکرِ جلی ہے یہی نام دار ۲۳ دو عالم یو ظاہر ہوئے آشکار
کہ باطن تی لیایا ہے یو پنج گنج ۲۴ خدا کا ظہور ہے یو ذکراں سو پنج
خدا کی کھولی باٹ تج پر اگے ۲۵ اے سالک اگر دل میں توں یوں منگے
(۵۶ تا ۵۸)

اس کے بعد شاہ شریف یہ کہتے ہیں کہ خدا کو ہر طریقے سے پایا جا سکتا ہے اور گمراہ لوگ یادِ الٰہی کے بغیر اپنی زندگی تباہ و برباد کر رہے ہیں، پھر کہتے ہیں ؎

نزول ہے خُدا کا خفی حال بھی ۲۶ تیرے طرف آیا بجال جلی
تجے بھی عروج ہے جلی ذکر سوں ۲۷ منگے سیر کرنے خفی طرف لوں

(۶۲ ـ ۶۳)

اس کے بعد ذکرِ روحی، ذکر سری کی تشریح کی گئی ہے اور واضح کیا ہے کہ ذکرِ الٰہی کس طرح کیا جائے تاکہ قلب کا گوشہ گوشہ نور کی تجلی سے منور ہو سکے۔ ذکرِ الٰہی کا ہر لمحہ وردِ زباں رہنا ضروری ہے۔ ؎

تو ن کہہ اللہ اللہ ہو رات دن ۲۸ نہ غافل اچھی ذکر سوں اُس کدھیں

(۷۱)

ذکرِ الٰہی کے شغل کے بعد ایک حد ایسی آئے گی کہ سالک منزلِ ناسوت تک پہنچ جائیگا اور اس جگہ اس پر یادِ حق کے سوا سب کچھ حرام ہو گا ؎

تو ن منزل او پاگا جو ناسوت نام ۲۹ بجز یادِ حق تج پہ ہوگا حرام

(۷۷)

سالک کے لئے اس کے بعد منزل ملکوت ہو گی۔ یہیں پر اُسے صفا کا میدان نظر آتا ہے اور سالک کو رُوحِ قدسی کی لو لگ جاتی ہے ؎

تو ں شاہ ہمیشہ دل پر جو رہے ۳۰ وہاں رُوحِ قُدسی سُوں تج وصل ہے

(۸۵)

رُوحِ قُدسی سے وصال کے بعد سالک منزلِ جبروت میں قدم رکھتا ہے اور اس کے لئے اس منزل میں ہر دو عالم گم ہو جاتے ہیں ؎

تو ن منزل او پاگا کہ جبروت نام ۳۱ جو واں ہر دو عالم ہوے گُم تمام

ہوئے عاشق پاک صادق یہاں ۳۲ پتنگ ہو پڑے چھوڑ پروائے جان

(۸۶ — ۸۷)

مغزِ نور کے بیان میں لکھتے ہیں کہ ؎

یہاں ممتنع جو کہ ظلمات جان ۳۳ تو شاہد ہے آبِ حیات اسمیں جان

(۹۰)

مغزِ نور مجلیٰ محمد ہے بیچ ۳۴ اوسے کھاؤں ہستی کی ہے خاک بیچ

(۹۴)

رُوحِ قدسی کو عکسِ نور قرار دیتے ہوئے وہ نورِ حق کی اہمیت کا راز یوں فاش کرتے ہیں ؎

یہاں ہوئی ظاہر محبتِ حضور ۳۵ کہ یو رُوحِ قدسی سو ہے عکسِ نُور
خدا کا جو عشق آئے دل پر تجے ۳۶ کھُلے راز کے گنج کا دَر تجے
نظر توں کریگا جو جب کھا ر پہ ۳۷ نہ دیسے بجز نُورِ حق تج نظر

(۹۷ تا ۹۹)

ان حقائق کے وا ہونے کے بعد سالک کو منزلِ لاہوت کی راہ ملتی ہے ؎

او منزل تو پایا کہ لاہوت نام ۳۸ تو اس ذکرِ سری سوں رہئے توں مدام

(۱۰۲)

اس منزل کے بعد سالک کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور وہ خود کو ذاتِ الٰہی میں ضم کر دیتا ہے ؎

خودی کون فنا کر ہوا اس میں نہاں ۳۹ خفی حال تجپر کروں میں بیاں

(۱۰۵)

خفی حال کے ذکر کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

شعور توں جو دھرتا ہے دیکھتا ہو نکر ۴۰ او دِستا ہے منج اُس نظر کے بھتر
ہی غیر ہے حجاب اُس عیں باج ۴۱ فنا ہو خفی حال نیں کرتوں راج
خفی حال سوں توں جو پاگا وصال ۴۲ تجھے قرب حق کا ہے واں بے زوال

(۱۰۶ — ۱۰۸)

قربِ حق نصیب ہونے کے بعد سالک پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اس کے بیان سے اس کی زبان قاصر ہے۔

ہوئے اُس گنج مخفی میں تج حال جو ۴۳ زباں گنگ ہوئے تو لنے قال او
توں یوں وصلِ حق کا جو پاوے مدام ۴۴ ہووے ذوق اسکا بھی تجکوں مدام

(۱۱۲ — ۱۱۳)

اس بیان کے بعد شاہ شریف سالک سے تخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

اے سالک کچھ تجکوں بولیا ہوں اب ۴۵ نصیحت کے موتی پرویا ہوں اب
تو کر فہم اُس راز تھی حق کی باٹ ۴۶ تو ذکراں سوں اُس جا سچ باٹ گھاٹ
وصن بات اگر ہوش دھرتا ہے توں ۴۷ تو کر جوش اپس میں میرے پند سوں
پکڑ دو ریک صاحبِ دل کا جا ۴۸ کہ تا او تجے راہ لاوے سیدا

(۱۱۴ — ۱۱۷)

شاہ شریف مرشدِ کامل کے حصول پر خاص طور پر زور دیتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اس کے بعد راہِ معرفت کا طے کرنا ناممکن سا ہے۔ وہ یہاں اس بات کے شاکی نظر آتے ہیں کہ ہر دور میں مرشدانِ کامل کا فقدان رہا ہے۔ لیکن وہ سالک کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی دل میں عشقِ حقیقی کا ولولہ پیدا ہوتا ہے تو از خود اُسے مرشدِ کامل تک پہنچا دیتا ہے تاکہ معرفت کی منزلیں اس کی راہبری میں طے کی جاسکیں ؎

بجز مرشد نہ کوئی باٹ پائے ۴۹ خدا جس منگے اُس سیدھی راہ بلائے

ولیکن کہاں مرشداں کا ملاں ۵۰ کہ حق سوں ہوئے اوچھے واصلاں

خدا جس وقت تج ارادت کرے ۵۱ تو اس رہنما کیاں لجا تج دھرے

(۴۹ تا ۵۱)

شاہ شریف سالکانِ معرفت سے گویا اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل میں قربِ الٰہی کا خیال پیدا ہوا تھا۔ تو انھیں شاہ بُرہان الدین جانمؔ جیسا مرشدِ کامل مل گیا تھا وہ اپنے مرشدِ کامل کی خصوصیات کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

تو آشاہ بُرہان کے دار اُوپر ۵۲ کہ او سالکاں کے جو ہے راہبر

شریعت حقیقت کے ہیں رہنما ۵۳ او کامل ولی عارفاں کے ہے شا

دُرست ہے صفت جو حبیبِ خدا ۵۴ ولی وِلا پیروی مُصطفےٰ

جکوئی ان کے درک جیو سوں آئے ۵۵ مراد او خدا کی پچھانت کی پائے

ایسے خاص مُرشد ہے او اس زماں ۵۶ او ختم الولی ہے در آخر زماں

خدانے کیا ظاہر ان کو جیاں ۵۷ کہ نفع او نو تھی لیوے مومناں

اوپر ہے سرانے تھی اُن کا مقام ۵۸ پیغمبر کی خصلت ہے ان میں تمام

ہووے بختِ طالع مُنج اس تے بلند ۵۹ جو پایا اُس انسانِ کامل سوں پند

مقام ہے او نو کا بجاپور کن ۶۰ نشانی ہے گنبد کے شہپور کن

کرم سوں نظر شاہ دین جب کیا ۶۱ تو حق الیقیں کوں او پونچا دیا

مرے دل کے تانبے کوں او کیمیا ۶۲ کتک فیض کا اِس کیا جوں طلا

(۱۲۵ تا ۱۳۵)

شاہ شریف نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے شاہ برہان الدین جانمؔ اور معرفتِ الٰہی کے پوشیدہ باتوں کی جو تشریح فرمائی ہے اُس کا بیان دراصل